اس واقعے سے کئی روز قبل نیشنل کانفرنس سے تعلق رکھنے والے ایک کارکن عبدالاحد کنجوال کے گھر جا کر چند فوجیوں نے ان کو ہدایت کی تھی کہ وہ اس علاقے سے ہجرت کر جائیں، جس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ قتلِ عام کی پہلے سے ہی منصوبہ بندی کر لی گئی تھی اور یہ فقط ایک سپاہی کی ہلاکت سے پیدا شدہ وقتی اشتعال نہیں تھا۔

پورے قصبے میں آگ لگانے کی یہ ہولناک کارروائی پورے چار گھنٹے جاری رہی۔ بانڈی پورہ سے آنے والی موٹر کار میں ایک فیملی سفر کر رہی تھی، ایک اہلکار نے ان کے شیر خوار بچے کو ہوا میں لہرا کر آگ کے حوالے کر دیا، بقیہ افراد کو بھی گولیوں سے نشانہ بنا کر تڑپتے ہوئے آگ میں دھکیل دیا۔ اس خونی رقص کے بعد معلوم ہوا کہ کئی سو دکانیں، عمارتیں اور مال سے بھرے ہوئے سیکڑوں گودام اور زنانہ کالج مکمل طور پر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکے ہیں۔

آگ اور خون کی اس ہولی کے اگلے روز بی ایس ایف کے اس وقت کے سربراہ پرکاش سنگھ قصبہ میں وارد ہوئے اور معززین شہر کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ قتل گاہ کا معائنہ کرتے ہوئے اس نے پنجابی میں اہلکاروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ: ''کس پنجابی شیر نے بازو آزمانے میں پوری کسر نکال دی ہے؟''۔ ایک اوباش لڑکے نے فخراً بتایا کہ میں نے کئی افراد کو ہلاک کیا ہے۔ پرکاش سنگھ نے سب کے سامنے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ قرونِ وسطٰی کی وہ تاریخ شاید دہرائی جارہی تھی، جب منگول حکمران چنگیز خان جنگ کے میدان کا معائنہ کرتے ہوئے لاشوں کے انبار اور کھوپڑیوں کے مینار دیکھ کر جرنیلوں کو شاباشی دیتا تھا۔ حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ پرکاش سنگھ آج بھارت میں پولیس میں اصلاحات اور فورسز میں انسانی حقوق کے تئیں بیداری لانے کے بڑے نقیب ہیں۔

کئی روز بعد دلّی سے مرکزی وزرا لکھن لال فوطیدار، غلام نبی آزاد، مرحوم غلام رسول کی معیت میں وارد ہوئے اور ہر ممکن امداد فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن سوپور کے باشندوں نے حکومتی امداد قبول نہیں کی، بلکہ عوامی سطح پر جو ریلیف جمع کیا گیا تھا، وہی متاثرین میں تقسیم ہوا۔ انشورنس کمپنیوں نے بھی منہ موڑ لیا۔ جس کے بعد اس وقت کے مرکزی وزیر خزانہ اور سابق وزیر اعظم من موہن سنگھ کی مداخلت کے بعد انشورنس کمپنیوں نے معاوضہ واگزار کرنے کا یقین دلایا، تاہم یہ وعدہ بھی کبھی ایفا نہ ہوسکا۔ مقامی تجارتی انجمن نے عدالت سے رجوع کر کے انشورنس کمپنیوں سے

معاوضہ حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی مگر اس میدان میں چند ہی دکان دار خوش نصیب نکلے۔

عوامی دباؤ کے تحت حکومت نے ۹۴ بٹالین بی ایس ایف کے کمانڈنٹ کو پانچ دیگر اہلکاروں سمیت معطل کیا۔ ۹ جنوری کو واقعے کی جوڈیشل انکوائری کے احکامات بھی صادر کیے گئے اور ۳۰ جنوری کو جسٹس امر سنگھ چودھری کو تحقیقاتی آفیسر مقرر کیا گیا۔ اس تحقیقاتی عمل کو کبھی آگے بڑھایا نہ جاسکا، بلکہ دو سال گزر جانے کے بعد کمیشن کو تحلیل کر دیا گیا۔ محکمہ قانون، جسٹس چودھری کو مسلسل لکھتا آیا کہ وہ ریاست بالخصوص سری نگر کا گرمیوں میں دورہ کریں تاکہ گواہ جن میں سینیر افسران شامل ہیں، ان کے بیانات قلم بند کیے جاسکیں۔ مگر کمیشن سری نگر آنے سے گریزاں رہا، تاہم جموں آنے پر آمادگی ظاہر کی اور گواہوں کے بیانات قلم بند کرنے کے لیے ۱۵ سے ۱۷ دسمبر ۱۹۹۳ء کا وقت دیا۔ کمیشن کی میعاد جو پہلے ہی ختم ہوچکی تھی، ۳۰ جنوری ۱۹۹۴ء تک بڑھادی گئی۔ کمیشن کی میعاد بڑھتے ہی جسٹس چودھری نے مجوزہ دورہ پھر منسوخ کر دیا اور اطلاع دی کہ سماعت کی اگلی تاریخ سے ریاستی حکومت کو مطلع کیا جائے گا۔ اس کے بعد کمیشن نے مطلع کیا کہ وہ اپنی کارروائی ۲۱ سے ۲۵ مارچ تک جموں میں چلائے گا اور خواہش ظاہر کی کہ گواہوں کی شرکت کو یقینی بنانے کے علاوہ کمیشن کے عملے کی سیکورٹی کا معقول بندوبست کیا جائے گا، لیکن یہ دورہ بھی منسوخ کر دیا گیا اور اطلاع دی گئی کہ اب وہ سماعت مارچ ۱۹۹۴ء کے دوسرے ہفتے میں کرے گا۔ وہ اس کے بعد بھی وعدے سے مکر گیا اور یوں اپریل ۱۹۹۴ء میں کمیشن کی میعاد پھر ختم ہوگئی۔

ریاستی چیف سیکرٹری بی کے گوسوامی نے فائل میں اپنے تاثرات کچھ یوں لکھے: ''ہمیں یہ ڈراما ختم کرنا چاہیے، گذشتہ ۱۵ ماہ سے کوئی سماعت نہیں ہوئی اور ۱۸/اپریل ۱۹۹۵ء کو مرکز کے داخلہ سیکرٹری کے پدمنا بھیا کو لکھا: ''کمیشن کی جانب سے جموں میں سماعت کا انعقاد عوامی مفاد میں پہلے ہی نہیں تھا لیکن اس کے بعد کمیشن کا رویہ سراسر حوصلہ شکن رہا اور تین ماہ میں انکوائری مکمل نہ کرنے سے لوگوں میں حکومت کے اعتبار کو شدید صدمہ پہنچا ہے''۔ گوسوامی نے پدمنا بھیا کے نام مزید لکھا کہ کمیشن کے قیام کا چوں کہ مقصد ہی فوت ہو چکا ہے اس لیے اب اسے تحلیل کر دینا چاہیے''۔ اس مکتوب کے بعد مذکورہ کمیشن کا باب بند کر دیا گیا۔

بتایا جاتا ہے کہ بعد میں ایک سب انسپکٹر اور دو اسسٹنٹ سب انسپکٹروں کو معطل کیا گیا جب کہ ۹۴ بٹالین کو سوپور سے تبدیل کر کے پلوامہ تعینات کیا گیا، جہاں انھوں نے پہنچتے ہی لوگوں کو سوپور سانحے جیسے انجام کی دھمکیاں دیں، جس کے کچھ عرصے بعد انھیں راجستھان منتقل کر دیا گیا۔ اس سانحے سے متعلق دو کیس پولیس اسٹیشن سوپور میں درج کیے گئے تھے اور وہاں سے ۲۳ جنوری کو انھیں تحقیقات کے لیے مرکزی تفتیشی ایجنسی کو سونپا گیا۔ سی بی آئی کی رپورٹ کے مطابق: دورانِ تحقیقات عینی گواہوں اور مقامی لوگوں کے بیانات لینے کی ازخود کوشش کی، تاہم کسی زخمی یا کسی گواہ نے بی ایس ایف اہلکاروں کی شناخت نہیں کی اور نہ مطلوبہ معلومات فراہم کیں، جس کے نتیجے میں اس سانحے میں ملوث لوگوں کی نشان دہی ناممکن بن گئی اور یہ پتا نہ چل سکا کہ کس نے عام لوگوں کی جان لی اور آتش زدگی کے لیے کون ذمہ دار ہے''۔ مزید لکھا: ۹۴ بٹالین بی ایس ایف کی جانب سے درج کی گئی ایف آئی آر کی تحقیقات کے سلسلے میں بھی حملہ آوروں کی شناخت نہ ہوسکی کہ جس سے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس سانحہ کے دوران کس نے پہلے فائرنگ کی تھی''۔

یوں کیس لٹکتا ہی رہا اور انصاف کا خون ہوتا رہا۔ حکومت کے اس رویے کی وجہ سے سوپور کے مکین ۲۴ برس بعد انصاف کی تمام اُمیدیں کھو بیٹھے ہیں۔ تقریباً چوتھائی صدی بیت گئی ہے، مگر دل پر لگے زخم آج بھی تازہ ہیں۔ جب تک بھارت اور پاکستان وجۂ نزاع معاملات کا حل تلاش نہیں کرتے، اور خطے میں پایے دار امن وخوش حالی کا ماحول پیدا کرنے کے لیے اقدامات نہیں کرتے، تب تک سوپور جیسے قتل عام ہوتے رہیں گے اور ایسے زخم ہرے ہوتے رہیں گے۔

یہ حقیقت بہرحال تسلیم کرنا پڑے گی کہ ان تمام اَلمیوں کا ماخذ کشمیر کا حل طلب مسئلہ ہے۔ لہٰذا، بہتری اسی میں ہے کہ حقائق سے انکار کے بجاے اس مسئلے کے حل کی سبیل کی جائے۔ کوئی ایسا حل جو تمام فریقوں کے لیے قابلِ قبول ہو، تاکہ برعظیم میں امن وخوش حالی کے دن لوٹ سکیں۔ سوپور کے شہیدوں کے لیے بھی یہ ایک طرح سے خراجِ عقیدت ہوگا۔ اس حیات پرور اور زندہ دلوں کی بستی کی رونقیں بھی لوٹ آئیں گی۔

شہید افضل گورو سے مظلوم مظفر راتھر تک

تنویر قیصر شاہد°

ایک مظلوم، بے گناہ اور بے بس کشمیری مسلمان نوجوان سے وابستہ یادوں سے دل مغموم ہے۔ ۹فروری ۲۰۱۳ء کو کشمیری محمد افضل گورو کو بھارتی برہمن اسٹیبلشمنٹ نے دہلی کی تہاڑ جیل میں نہایت ظالمانہ طریقے سے پھانسی پر لٹکا دیا تھا۔ اس پر مزید ستم یہ ڈھایا گیا کہ شہید کی میت بھی اُن کے والدین، بیوہ (تبسم) اور نہایت کمسن اکلوتے بیٹے غالب کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ شہید افضل گورو کا جسدِ خاکی تہاڑ جیل کے اندر ہی مدفون ہے۔ ظلم اور جبر کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے!

بھارت نے الزام لگایا تھا کہ ۲۰۰۱ء میں بھارتی پارلیمنٹ کی عمارت پر جو فائرنگ ہوئی تھی، اس کا ماسٹر مائنڈ افضل گورو تھا۔ ۱۲سال تک مقدمہ چلا۔ اس دوران تمام شواہد نے ثابت کر دیا کہ افضل کسی بھی سطح پر اس کے ذمے دار نہیں ہیں، لیکن اس کے باوصف بھارتی عدالت نے اُنھیں موت کی سزا سنا دی۔ ہندو ججوں کے سفاک الفاظ ملاحظہ کیجیے:

> بھارت کے اجتماعی ضمیر کا تقاضا ہے کہ افضل گورو کو موت کی سزا دے کر اُس کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔

۹فروری کو ۴۴ سالہ گورو کو پھانسی دے دی گئی۔ بھارت کی ممتاز دانش ور اور معروف ادیب اروندھتی رائے نے اس موقعے پر برطانوی اخبار گارڈین میں طویل مذمتی مضمون میں لکھا تھا: ''افضل گورو کی موت بھارتی جمہوریت کے دامن پر ایسا سیاہ دھبہ ہے، جو کبھی نہیں دُھل سکے گا''۔

° دانش ور اور صحافی، اسلام آباد

افضل گورو کا خون ان شاء اللہ رائیگاں نہیں جائے گا،لیکن دوسری طرف بھارت نے بھی مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ وہ تحریکِ آزادیِ کشمیر کو کچلنے کے لیے ہر غلیظ ہتھکنڈا بروے کار لائے گا۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی سیکورٹی اسٹیبلشمنٹ ، مجاہدین کشمیر کے حوصلے پست کرنے کے لیے کشمیر میں عفت مآب مسلم خواتین کی عصمتیں پامال کرنے سے بھی باز نہیں آرہی۔

اس ضمن میں ہولناک حقائق سامنے آرہے ہیں۔ مثال کے طور پر ۲ فروری ۲۰۱۷ء کو سری نگر سے شائع ہونے والے ممتاز انگریزی روزنامے The Rising Kashmir کی ایک خبر ملاحظہ کیجیے۔ اخبار مذکور میں یاور حسین نے رپورٹ میں بتایا ہے کہ جب مقبوضہ کشمیر کی ریاستی اسمبلی کے ایک رکن، ایم وائی تریگامی نے اسپیکر سے ریاست میں بھارتی فوجیوں کے ہاتھوں ہونے والے حالیہ عصمت دری (ریپ) کے سانحات سے متعلق بار بار سوال پوچھا تو اسمبلی کی طرف سے اُنھیں تحریری جواب میں بتایا گیا کہ:

> گذشتہ دو برسوں (۱۶-۲۰۱۵ء) کے دوران میں مقبوضہ کشمیر میں ۵۹۵ خواتین کی عصمت دری کے واقعات رپورٹ ہوئے۔

یہ تعداد تو وہ ہے جس کا پولیس اسٹیشن میں باقاعدہ اندراج کیا گیا،مگر واقعہ یہ ہے کہ ریپ کے لاتعداد ایسے سانحات ہیں، جو وقوع پذیر تو ہوئے لیکن مقبوضہ کشمیر کی پولیس نے اُنھیں ریکارڈ کا حصّہ بنانے سے انکار کردیا۔

اس قبیح جرم کا ارتکاب کرنے والوں میں بھارتی فوجی افسر اور بارڈر سیکورٹی فورسز کے وہ اہل کار شامل ہیں، جنھیں دہلی اسٹیبلشمنٹ نے خصوصی طور پر مقبوضہ کشمیر میں تعینات کر رکھا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے دو اضلاع، کپواڑہ اور اَننت ناگ میں کشمیری مسلمان خواتین کی سب سے زیادہ بے حُرمتی کی گئی ہے۔ سب سے زیادہ دردناک سوال یہ ہے کہ عالمی ضمیر بھارت کے اِن قاہرانہ اقدامات پر کب جاگے گا؟

واشنگٹن سے ممتاز کشمیری دانش وَر ڈاکٹر غلام نبی فائی، اِن بھارتی مظالم کے بارے میں بار بار امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ اور ان کی حکومت کو خط لکھ کر بیدار اور آگاہ کرنے کی اپنی سی مساعی تو کر رہے ہیں، لیکن بھارت کی طرف جھکا امریکی پلڑا فائی صاحب کی چیخوں پر کان دھرنے سے